تحریکِ اسلامی کی کامیابیاں

(سید اسعد گیلانی)

تحریک اسلامی برپا ہوتے ہی بیک وقت دو کامیابیوں کے میدان میں قدم رکھ دیتی ہے۔ دنیا میں فلاحِ انسانیت کے لیے نظامِ اسلامی کا قیام، اور آخرت میں اللہ کی رضا جوئی کے لیے احکام الٰہی اور بندگیٔ رب کی بجا آوری۔ دنیا میں یہ واحد اور منفرد تحریک ہے جس کا ہدف دو کامیابیوں کا حصول ہوتا ہے اور بالعموم یہ دونوں میں کامیابیاں حاصل کرتی ہے، ورنہ دو میں سے ایک کامیابی تو لازماً اس کا مقدر ہوتا ہے۔

تحریک اسلامی کی جدوجہد بدی پر نیکی کے غلبے، ظلم و زیادتی پر عدل و انصاف کے غلبے، غنڈہ گردی اور مردم آزاری پر شرافت و خدمت خلق کے غلبے، تفریق و انتشارِ انسانیت پر مساوات و اتحاد کے غلبے، الحاد اور بے دینی پر دینداری کے غلبے، خدا ناترسی پر خدا ترسی کے غلبے اور فی الجملہ باطل پر حق کے غلبے کی جدوجہد ہوتی ہے۔ اس جدوجہد کا پہلا ہدف انسان کے داخلی بگاڑ کی اصلاح ہے۔ اس کا دوسرا ہدف انسانوں کے پورے معاشرے کی اصلاح ہے۔ اور اس کا تیسرا ہدف انسانی معاشرے پر اثر انداز ہونے والے ان تمام اجتماعی اداروں کی اصلاح ہے جو انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے قائم کیے ہیں، جن میں حکومت کا ادارہ سب سے بڑا ہے۔ حکومت کی اصلاح ہونے سے انسانی معاشرے کے مختلف شعبوں کی اصلاح کے لیے قوت و اختیار اور اس کے وسائل میسر آجاتے ہیں۔ خصوصاً آج کے اس دور میں جس طرح حکومتی اداروں کا دائرۂ اثر وسیع ہوگیا ہے اور اس نے زندگی کے ہر گوشے پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا ہے، ایسی صورت میں تو حکومت کی اصلاح کے بغیر معاشرے کی کوئی قابلِ ذکر اصلاح بھی نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ جیسے جیسے حکومتی ادارے انسانی معاشرے پر اثر انداز ہونے میں وسعت اختیار کرتے چلے گئے انسانوں کی اصلاح کے لیے نازل ہونے والے الٰہی احکام میں بھی اجتماعی زندگی سے متعلق ہدایات کا اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ جب اللہ کی طرف

سے انسانوں کے لیے اصلاحات کا آخری احکام نامہ قرآن کی صورت میں اتارا گیا تو وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اصلاح کا ایک نہایت وسیع اور جامع پروگرام لے کر آیا اور ساتھ ہی اسے حکومتی اداروں کے ذریعے نافذ کر کے اس کے نزول کا مقصد اور طریق کار بھی واضح کر دیا گیا۔ گویا اللہ کے آخری رسولؐ کا دین خود رسولؐ پاک کی سنت کے عین مطابق اب حکومت کے ذریعے ہی کامل طور پر نفاذ کے لیے اتارا گیا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اللہ کے رسولؐ کے نافذ کردہ احکام الٰہی سے کمتر احکام کے نفاذ پر بھی راضی ہو جاتا ہے تو وہ رسولؐ اللہ کی تعلیمات، سنت رسولؐ اور آپؐ کے طریق کار سے انحراف کرتا ہے۔ ان حالات میں اللہ کا آخری دین نازل ہو جانے کے بعد کوئی تحریک اس وقت تک حقیقی اسلامی تحریک نہیں کہلا سکتی جب تک وہ افراد اور معاشرے کی اصلاح کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی کے عملی نفاذ اور حکومت کی اصلاح کے لیے بھی عملی جدوجہد نہیں کرتی۔

دور حاضر میں سید مودودیؒ کی برپا کردہ تحریک اسلامی نے فکر و نظر اور عمل و کردار کے میدان میں زبردست کامیابیاں حاصل کیں اور کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ ایک طویل دورِ انحطاط و زوال سے گزرنے کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر فکری اور عملی لحاظ سے زبردست تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ جس گروہ کو یہ سکھایا گیا تھا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس کے اندر دین و دنیا کی زبردست تفریق و تقسیم واقع ہو چکی تھی۔ جن لوگوں کے لیے اطاعت کا محور صرف خدا و رسولؐ کی ذات کو قرار دیا گیا تھا ان کے اندر خدا کے باغیوں تک کی اطاعت رائج ہو کر رہ گئی تھی۔ جن کا دین اُن کی زندگی کے ہر گوشے پر حاوی ہونے کا مدعی ہے وہ سمٹ سمٹا کر صرف چند عبادات تک محدود ہو گیا تھا۔ جن لوگوں سے کلمہ طیبہ کا عہد لے کر انہیں اللہ کی بادشاہت کے سوا ہر کسی کی بادشاہت سے بغاوت کا سبق دیا گیا تھا وہ اطاعت اُولوالامر کی آڑ میں کافروں تک کی اطاعت پر نہ صرف راضی ہو گئے بلکہ ان سے خدمتِ باطل کے تمغے اور خطاب تک حاصل کرنے اور اس پر فخر کرنے لگے تھے۔ جن کو دین کے بارے میں ہر مداہنت سے روکا گیا تھا۔ ان کے اندر ترقی پسندی کے مدعی لوگ دینداری کو جنون اور انتہا پسندی قرار دینے لگے تھے۔ جن کو کافروں کی پیروی بلکہ ان کے فیشن تک اختیار کرنے سے منع کیا گیا تھا وہ کفار کے فیشن کو اپنی ترقی پسندی کی علامت قرار دینے لگے تھے۔ غرض زوال و انحطاط کی پستی نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا کہ جس چیز کو مٹانے کے لیے ہی مسلمان ملت کو برپا کیا گیا تھا۔ اسی چیز کو قائم کرنے میں اس ملت کی قوتیں اور صلاحیتیں صرف ہونے لگیں تھیں۔

اس فکری اور عملی انحطاط و زوال کے اندر مبتلا مسلمان قوم کے اندر سیّد مودودی کی تحریک اسلامی نے ۱۹۴۱ء میں اپنے اجتماعی کام کا آغاز کیا۔ صرف ۷۵ افراد کے عزم کر لینے سے اس کام کی ابتدا ہوئی۔ آغاز کے وقت اس کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کل ۷۴ روپے ۱۴ آنے کے بنیادی اثاثے سے اس کی اجتماعی سرگرمیوں کا آغاز کیا گیا، اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ ننھی سی کونپل بڑھتی اور تناور درخت بنتی چلی گئی۔ گزشتہ ۳۱ سال ۸ مہینے کا دعوتی سفر اس نے اندرونی طور پر شدید بے سروسامانی اور ذرائع و وسائل کی ناقابلِ بیان قلت کے درمیان طے کیا ہے اور بیرونی طور پر خود مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کی طرف سے جس قدر مزاحمتیں اور رکاوٹیں اسے پیش آئی ہیں ایسی رکاوٹیں مسلمانوں کے بدترین کھلے کھلے دشمنوں کو بھی اِس قوم کے درمیان پیش نہیں آئیں۔ ہر حکومت نے زبانی طور پر جماعت اسلامی کے اس خیال سے اتفاق کیا کہ مسلمانوں کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع مہیا کیے جانے چاہییں۔ اور ہر حکومت نے جماعت اسلامی کو کلیۃً مٹا دینے کے لیے اپنی طرف سے کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کرسیِ اقتدار پر بیٹھ کر کبھی بھی کسی صاحبِ اقتدار نے فراخ دلی سے جماعت اسلامی کو گوارا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ مقامِ اقتدار سے گر جانے کے بعد اسے جماعت اسلامی سے زیادہ منظم اور محبِ وطن اور راست رَو جماعت بھی کوئی دوسری نظر نہیں آئی۔

جماعتِ اسلامی نے گزشتہ پونے ۳۲ سال میں اپنی زوال پذیر، انحطاط یافتہ اور اسلامی نقطۂ نظر سے اپنے بُرے بھلے سے بے خبر قوم کے اندر کام کیا ہے۔ اُس قوم کے اندر جو صدیوں سے نظامِ باطل کی ماری ہوئی، اس سے دبی ہوئی، ظالموں کی شکارگاہ بنی ہوئی اور باطل نظام کے سخت شکنجے میں جکڑ کر، ناگواری کے ساتھ ہی سہی، بہرحال اُس کے سانچے میں ڈھلی ہوئی قوم ہے، حقیقت یہ ہے کہ بگاڑ کی اس شدت میں مایوسی اور قنوطیت کی انتہاء گہرائی کے باوجود جماعت اسلامی نے اپنی جدوجہد میں قابلِ ذکر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ وہ کامیابیاں جو بعض فکری تحریکوں کو صدیوں میں بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ ان کامیابیوں کا تذکرہ کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس تحریک سے وابستہ دین کے مجاہد اپنی تگ و تاز اور اس کی وسعتوں کو خود شناخت کر سکیں اور پھر اپنی رفتار میں تیزی اور مستعدی پیدا کر کے اپنے قدم مزید آگے بڑھائیں۔

ایک نئے نظام کے قیام کی جدوجہد سربکف کارکنوں کا کام ہے۔ یہ ایک تخلیقی عمل ہے۔ جس راستے پر مدت سے کوئی راہ رو نہ گزرا ہو اور نشاناتِ منزل بھی گرد میں دب گئے ہوں وہاں اپنا راستہ بھی خود بنانا پڑتا ہے، اس کی ابتدائی رکاوٹوں کو خود ہی دور کرنا پڑتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف سفر بھی خود اپنی ہمت

اور شناخت سے جاری رکھنا ہوتا ہے۔ نئے نظام برپا کرنے والے لوگوں نے ہمیشہ بدترین نامساعد حالات میں کام کیا ہے۔ یہ پہاڑوں سے نہریں نکالنے اور صحراؤں سے چشمے اچھالنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ یہ صرف ایک سیاسی عمل ہی نہیں ہے جس کی گاڑی چند سیاسی نعروں کے پہیوں پر چل سکے۔ یہ خدا ترسی اور آخرت کی جوابدہی کے بنیادی تصور پر دنیا کے ہر عمل کی تشکیلِ نو کا کام ہے۔ اور باطل کے ہر چیلنج کا ہر میدان میں موثر جواب دینے اور اس کے مقابلے میں زیادہ مضبوط چیلنج رکھ دینے کا کام ہے۔

اس نقطۂ نظر سے یہ ایک نہائی صدی کی مدت میرے نزدیک بہت مختصر مدت ہے جس میں فکری اور عملی تشکیل و تعمیر کے میدان میں تحریک اسلامی کی کامیابیوں اور کارناموں کا جائزہ لیا جائے۔ چونکہ میرے نزدیک اس مختصر مدت میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے مختلف گوشوں میں بے شمار کام ہوا ہے جس کا احاطہ آسان نہیں ہے اس لیے میں صرف چند پہلوؤں کی طرف مختصر اشارات ہی کروں گا۔

اسلام ایک تحریک - ایک انقلابی تصور

مسلمانوں میں اسلام کے بارے میں ایک نسلی مذہب کی سی روش پختہ ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے نزدیک اسلام ذات پات کی طرح باپ سے بیٹے کو نسل میں منتقل ہوتا تھا اور کسی شخص کے لیے کسی مسلمان گھر میں پیدا ہو جانا اس کے لیے بہت کافی تھا کہ اس کے ساتھ مسلمان کی صفت اس طرح چسپاں ہو جائے کہ اس کے سارے مادی فوائد تو اسے حاصل ہوں لیکن اس کے نفاذ و اجراء کی کوئی ذمہ داری اس پر نہ ہو۔ اس نوعیت کے نسلی تعلق کے اسلام نے مسلمانوں کے اندر اسلام کے بارے میں مکمل بے حسی، جمود، ٹھہراؤ، بلکہ بے شعوری اور بے خبری کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ تحریک اسلامی نے برپا ہوتے ہی اس جمود کو توڑا۔ وزنی دلائل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ اسلام محض کوئی نسلی نسبت نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک مقصد، مشن، نصب العین اور ایک تحریک ہے۔ یہ قائم نہ ہو تو اسے قائم کرنے کے لیے اٹھنا چاہیے۔ جس طرح سوشلزم کمیونزم جیسی مادی تحریکوں کو جاری اور نافذ کرنے کے لیے لوگ زندگیاں کھپاتے، محنتیں کرتے، قربانیاں دیتے اور جان گسل جدوجہد کرتے ہیں، بالکل اسی طرح اسلام کا بھی اپنے پیروؤں سے یہی مطالبہ ہے کہ جانیں لڑا کر اسے ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے نافذ کیا جائے اور اس کام کو زندگی کا مشن بنا لیا جائے۔ تحریک اسلامی نے اسلام کو ایک جامد مذہب، ایک انفرادی روشِ زندگی سے اٹھا کر اسے ایک تحریک بنا کر پیش کیا۔ اور اسے لاکھوں زندگیوں کا مشن بنا دیا۔ آج اسلام ایک تحریک کی حیثیت سے ہمارے معاشرے میں برپا ہے۔ لاکھوں زندگیاں اسے اپنا مشن بنا کر کام کر رہی ہیں۔ یہ معمولی کامیابی نہیں ہے جو تحریک اسلامی نے اپنی چند سالہ جدوجہد سے حاصل کی ہے۔ اس حرکت و تحریک

نے اسلام کے چہرے سے صدیوں کا جما ہوا زنگ اتار دیا ہے۔

دین کا وسیع تصور مسلمانوں میں یہ تصور پختہ ہو گیا تھا کہ اسلام پانچ ارکانِ دین کا نام ہے۔ کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ اور ان میں جس قدر زیادہ سے زیادہ انہماک کر لیا جائے انسان پرہیزگاری اور تقویٰ کی ساری منازل طے کرتا ہوا درجۂ احسان تک جا پہنچتا ہے۔ حتیٰ کہ حدود اللہ سے بے نیاز معاشرے میں رہتے ہوئے ولایتِ الٰہی بھی اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ ان پانچ امور میں انہماک سے اس کے سارے اسلامی فرائض پورے ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ دنیا اور اس کی مصروفیات ہیں۔ تجارت، ملازمت، زراعت، رشتہ و تعلق، کاروبار۔ سیاست سب کچھ دنیاداری ہے۔ اور ان میں سیاست تو وہ بدترین دنیاداری ہے جس سے انسان حرص و ہوا میں مبتلا ہوتا، عہدہ و منصب کا لالچی بنتا اولی الامر سے کشمکش کر کے اپنی عاقبت خراب کرتا اور جوڑ توڑ اور سازش کر کے بالآخر سگِ دنیا بن کر رہ جاتا ہے۔ ہر دین دار آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ ان تمام چیزوں سے بے رغبتی ظاہر کرے اور ان میں مبتلا نہ ہو۔ اور سیاست کے تو قریب بھی نہ پھٹکے کیونکہ اس سے بڑھ کر دنیاداری اور کوئی نہیں ہے۔ دینداری کے اس محدود تصور نے بتدریج ہماری قومی زندگی کے ہر اہم مقام سے اخلاق و اسلام کے پابند اور شریف لوگوں کو پسپا کر کے نکال باہر کیا اور شیطان صفت انسانوں کو لا کر ان کے ہاتھ میں مسلمانوں کی زندگی کی باگ ڈور تھما دی شیطان کا یہ کامیاب ترین حربہ تھا جس نے پوری مسلمان قوم کو مجروح کیا اور صدیوں سے اسے اپنے اصل فرائض (فرائض خلافت الٰہیہ) ادا کرنے سے روکے رکھا۔

تحریک اسلامی نے دین داری کے اس محدود آہنی خول کو توڑ کر یہ ثابت کیا کہ دین پوری انسانی زندگی پر حاوی نظامِ حیات ہے۔ اللہ کے احکام کے تحت کام کرتے ہوئے انسان کا ہر فعل عبادت ہے۔ اگر ایک شخص خدا کے احکام کی پابندی کے ساتھ زراعت کرتا، کاروبار اور رشتہ و تعلق قائم کرتا، حتیٰ کہ سیاست و حکومت بھی کرتا ہے تو وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی بندگی کا دوسرا نام ہی عبادت ہے۔ اور اللہ کے احکام زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہیں۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں انسان کو اللہ کے ان احکام کی اطاعت کرنی لازم ہے۔ حضورؐ کا یہ فرمان کہ اگر ایک انسان اپنی اولاد کے منہ میں حلال لقمہ بھی ڈالتا ہے تو وہ بھی عبادت ہے اور عادل حاکم اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف نور کے منبروں پر بٹھائے جائیں گے اور پھر خود حضورؐ اکرم کی سیرت پاک اور نظام اسلامی کے اجراء کی کامیاب جدوجہد، صحابہؓ کرام کی انقلابی

تحریک اور خلافت اسلامیہ کا قیام، یہ سب کچھ اسلام کے ایک جامع اور کامل نظام زندگی ہونے پر گواہ ہیں۔ آج تحریک اسلامی کی رائج کردہ اقامت دین، اسلامی نظام، اور اسلامی نظامِ زندگی کی اصطلاحات ہر تعلیم یافتہ شخص کی زبان پر ہیں اور وہ ان کا پورا مفہوم اچھی طرح سمجھتا ہے۔ تحریک اسلامی کی جدوجہد کے نتیجے میں آج اسلام کو صرف نماز روزے تک محدود سمجھنا ایک دقیانوسی خیال بن گیا ہے اور اسلام کو ایک کامل نظامِ حیات یا ضابطۂ حیات کہنا اور تسلیم کرنا، خود اس کی مخالفت کرنے اور اس سے انحراف کرنے والوں کے لیے بھی فیشن بن چکا ہے۔

اسلامی حکومت کا تصور

تحریک اسلامی کے برپا ہونے سے پہلے یہ تصور عام تھا کہ مسلمانوں کی ہر حکومت اسلامی حکومت ہوتی ہے۔ چنانچہ ان مسلمان حکومتوں کا ہر فعل اسلامی فعل کی حیثیت سے دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ اگر کسی حکومت کا کوئی فعل صریحاً غیر اسلامی بھی دکھائی دیتا تو اس کی تاویل کی جاتی تھی یا اسے ایک انفرادی اور اضطراری فعل قرار دے کر اس کی مجموعی اسلامی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی مسلمان حکومت اپنے ہاں شیخ الاسلام کا عہدہ یا محکمۂ قضاء وغیرہ قائم کر دے پھر تو اس کے خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس عظیم اسلامی خدمت کے بعد اس کے لیے حدود اللہ سے تجاوز، فسق و فجور کا ارتکاب، ظلم و ستم، حق ماری اور غریب آزاری سب کچھ جائز ہو جاتا تھا۔ تحریک اسلامی نے اسلامی حکومت کے ایسے تصور کی تردید کی۔ اس نے یہ چیز کھول کر بیان کر دی کہ شیخ الاسلامی کا منصب قائم کر دینے یا محض نہی منکر و امر معروف اور قضا و احتساب وغیرہ کے چند محکمے قائم کر دینے سے کوئی حکومت اسلامی حکومت نہیں بن جاتی اور اس کا قائم کردہ کوئی نظام اسلامی نظام نہیں ہو جاتا۔ اس نے بتایا کہ اسلامی حکومت وہ ہوتی ہے جو کسی شخص، خاندان، طبقے یا قوم کی حاکمیت کی بجائے اللہ کی حاکمیت اور اس کے قانون شرعی کی بالادستی کو تسلیم کرے اور جس کا نظام جمہوری شورائی خلافت کے اصول پر قائم ہو۔ تحریک اسلامی نے حکومت کے اس اسلامی نظریے کو اس قوت کے ساتھ پیش کیا کہ آج کوئی شخص اس کے سوا کسی دوسرے نظریے کو اسلام کا نظریۂ سیاسی کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے بتایا کہ ہر شعبے پر حاوی ایک مکمل اسلامی نظام زندگی کو برپا کرنے اور پھیلانے والے انتظامی ادارے کو ہی اسلامی حکومت کہا جاتا ہے۔ ایسی حکومت زندگی کے تمام گوشوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو نافذ کرتی ہے اور خود ان احکام کی پابند اور تابع فرمان ہوتی ہے۔ کسی ملک پر کسی مسلمان شخص کا بادشاہ بن کر بیٹھ جانا اس کے اسلامی ملک یا اس کی حکومت کے اسلامی حکومت بن جانے

کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کے لیے اسلامی حکومت کے مناصب میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسلامی حکومت رائے عامہ کا احترام کرنے والی، مشاورت کی پابند اور قرآن و سنت کی تابع فرمان حکومت ہوتی ہے اور اس کی تمام قانون سازی کا ماخذ اصل قرآن و سنت ہوتے ہیں۔ اس کے دائرۂ اختیار میں کسی قانون کے کالعدم قرار دیے جانے اور کسی فعل کو قابلِ مواخذہ قرار دینے کے لیے اتنی ہی دلیل کافی ہوتی ہے کہ وہ قرآن و سنت کے منافی ہے۔ اسلامی حکومت کے تمام کارندے اور شہری معروف میں حکومت کی اطاعت کے پابند ہوتے ہیں اور منکر کی اطاعت کے پابند نہیں ہوتے۔ کوئی اسلامی حکومت اپنے شہریوں اور کارکنوں کو منکر کا حکم دینے کا اختیار نہیں رکھتی اور ایسے کسی حکم کو عدالت میں بھی اور برسرِعام بھی ہمیشہ چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

تحریک اسلامی کی جدوجہد کا یہ نتیجہ ہے کہ جو بات اس کے برپا ہونے سے پہلے پڑھے لکھے لوگوں کے اندر بھی نہیں پائی جاتی تھی اور ان کے ذہن شدید غلط فہمیوں اور اُلجھاووں کے شکار تھے، آج ایک عامی مسلمان بھی مسلمان حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ کسی ایسی حکومت کو اسلامی حکومت تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے جس کی گردن میں قرآن و سنت کی ہمہ پہلو اطاعت کا قلادہ موجود نہ ہو۔ اسلامی حکومت کے بارے میں ایسا نکھرا ہوا تصور اجاگر کرنے میں تحریک اسلامی نے زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔

اسلامی قومیت اور مسلم قومیت کا فرق

صدیوں کے جمود و انحطاط کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر بھی قومیت کا وہی تصور رائج ہو گیا تھا جو دنیا کی عام کافر قوموں میں پایا جاتا ہے، جس کی بنیاد نسل رنگ زبان علاقہ جغرافیائی حدبندی یا بعض مشترک تہذیبی اور ثقافتی اطوار پر قائم ہے۔ چنانچہ آزادی کے لیے مسلمان دوسری قوموں سے اپنے علیحدہ قومی تشخص اور سیاسی جدوجہد کی بنیاد قومیت کے اسی نسلی تصور پر رکھتے تھے۔ لیکن تحریک اسلامی نے قومیت کے اس جاہلی تصور کے مقابلے میں اسلامی نظریاتی قومیت کا تصور پیش کیا اور کھول کھول کر بتایا کہ درحقیقت مسلمان ایک نظریاتی گروہ اور ایک اصولی جماعت ہیں۔ مسلمان کی قومیت اس کے دین میں پوشیدہ ہے۔ وہ اسلام کی نسبت سے مسلمان ہے اور مسلمان کی حیثیت سے ہی ایک علیحدہ ملت بن کر وجود میں آتا ہے۔ جس درجہ میں وہ اسلامی خصوصیات سے بہرہ ور ہو اسی قدر وہ مسلمان ملت کے لیے مفید ... اس کے مرکزِ وفاداری سے قریب تر، اور اس سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے، اور جس قدر وہ اسلامی تقاضوں سے بے نیاز ہو اسی قدر وہ ملت کے مرکزِ وجود سے ناآشنا اور ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ مسلم قوم پرستی اس معنی میں بے اصل ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی کرے وہ اسلامی ہے۔ یا دنیا کی دوسری قوموں کے تصورات کے مطابق وہ اس معنی میں کوئی

قوم ہے کہ مسلمانوں کے مادی مفاد کے لیے وہ جو کچھ بھی کرے وہ اسلامی ہے اور اسے خدمتِ دین واسلام ہی شمار کیا جائے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

اپنی ملت کو قیاس اقوامِ مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ظاہر ہے کہ وہ خاص ترکیب خالص اسلامی اور نظریاتی ہے۔ اس کا تعلق نسل یا علاقے یا رنگ و زبان سے نہیں ہے۔ اگر کسی مسلم گروہ کا سو فیصدی مادی مفاد بھی کسی غیر اسلامی طرزِ عمل سے وابستہ ہو تو وہ کسی مصلحت کے پیشِ نظر بھی اس مادی مفاد کی خاطر غیر اسلامی طرزِ عمل اختیار کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اور یہ تصور تو سرے سے ہی غلط ہے کہ مسلمان قوم کا ہر فعل اپنے آپ اسلامی فعل ہوتا ہے اور کسی غلط کاری میں مبتلا ہونے کے لیے یہ جواز کافی ہے کہ اس غلط کاری میں فلاں مسلمان ملک کی حکومت یا وہاں کے مسلمان عوام بھی مبتلا ہیں۔ یہودیوں کی طرح پستی میں گرنے کا یہ نسخہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے۔ تحریک اسلامی نے اسلامی قومیت اور مسلم قومیت کے اس فرق کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے اندر غیر مسلم قوموں کے طرزِ عمل کی پیروی میں یہ غلط فہمی کثرت سے پائی جاتی تھی۔ چنانچہ اگر انہیں باطل کی خدمت یا حرام کی دولت میں بھی مسلمانوں کا کوئی مادی مفاد پوشیدہ نظر آتا تھا تو مسلمان رہنما اسے اسلامی مطالبہ قرار دے کر اس کے حصول کے لیے آواز اٹھانے لگتے تھے۔ لیکن تحریک اسلامی نے اپنی زبردست جدوجہد سے اس غلط فہمی کو بلکسر دور کر دیا۔ آج مسلمانوں کا اہل علم گروہ مسلم قومیت اور اسلامی قومیت کے اس فرق سے پوری طرح آگاہ ہے اور جانتا ہے کہ مسلمانوں کی بنائے اجتماع مشترکہ مادی مفادات پر مبنی مسلم قومیت نہیں بلکہ اسلامی قومیت ہے۔ آج بھی یہ غلط فہمی اگر کسی گوشے میں آثارِ قدیمہ کے طور پر پائی جاتی ہے تو تحریکِ اسلامی کی مساعی اسے رفع کرنے میں صرف ہو رہی ہیں۔

کتاب و سنت کا نفاذ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں میں صدیوں کے انحطاط اور مغربی مستشرقین کے افکار سے متاثر ہونے کے سبب یہ بات عام طور پر پھیلی ہوئی تھی کہ اسلام کے نظامِ قانون کا ماخذ صرف قرآن پاک ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی تعبیر و تشریح میں جب ہر شخص آزاد ہوگا اور قرآن و حدیث کے علوم سے بے بہرہ لوگ مغربی قوانین کو سامنے رکھتے ہوئے جب اس کی تشریح کریں گے تو جدید قانون ساز اداروں کے لیے کوئی متعین معیارِ رد و قبول باقی نہ رہے گا۔ اس طرح اس کتاب الہٰی کی ہزاروں تعبیریں ہو جائیں گی اور بالآخر کثرتِ تعبیر کے ہنگامے

میں وہی تعبیر معتبر شمار ہوگی جو مغرب زدہ حضرات کے روزمرہ کے مشاغل میں قطعاً رکاوٹ ڈالنے والی نہ ہو۔ تحریک اسلامی نے اپنے زبردست علمی کام اور پرزور استدلال سے اہل علم حضرات سے یہ بات منوالی کہ اسلامی قانون کا ماخذ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسولؐ اللہ بھی ہے اور سنت رسولؐ اللہ کو نظرانداز کر کے کوئی قانون سازی بھی اسلامی خطوط پر استوار نہیں کی جاسکتی۔ کتاب و سنت کی اصطلاح ایک جامع اور لازم و ملزوم اصطلاح ہے جس کے بغیر کسی قسم کے اسلامی قانون کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ درحقیقت سنت قرآن پاک کی ایک مستند اور معتبر ترین تفسیر و تشریح و تعبیر ہے اور وہی اس کے ظاہر و باطن احکام کی توضیح و تفصیل بیان کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ اسلام سے آزادی چاہنے والے حضرات نے بہت زور مارا اور بہت سے قلمی و صحافتی معرکے برپا کیے لیکن آج یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسولؐ اللہ بھی اسلامی قانون کا معتبر ترین ماخذ مانی جارہی ہے اور سب سے زیادہ ملک کے قانون داں طبقہ نے اسے مان لیا ہے جو کسی دوسرے کے منوانے سے اس کو بمشکل ہی مان سکتا تھا۔ تحریک اسلامی کی یہ کامیابی بھی کسی صورت نظرانداز نہیں کی جاسکتی۔

ذہنی مرعوبیت کا خاتمہ جس قوم کی تلوار سے کوئی قوم مفتوح ہوتی ہے تدریجاً اسی قوم کے تصورات و خیالات و نظریات سے بھی وہ مفتوح و مغلوب ہو جاتی ہے۔ ذہنی مرعوبیت کے بغیر کوئی قوم مفتوح نہیں ہوتی اور اگر کسی حادثے سے مفتوح ہو بھی جائے تو بہت جلد اپنی آزادی حاصل کر لیتی ہے۔ مسلمانوں نے سلطنت کھوئی تو ساتھ ہی اپنی خودی اور عرفانِ ذات سے بھی محروم ہو گئے اور ان کے دل و دماغ پر مغرب کی مرعوبیت اس طرح مسلط ہوئی کہ ان کے لیے وحی والہام کی تعلیمات تو بے دلیل تسلیم کرنا مشکل ہو گیا البتہ مغرب کے آسمان سے اتری ہوئی ہر بات ان کے لیے وحی والہام بن گئی مغرب کے فلسفیوں کے نظریے درست قرار پائے۔ اُنہی کے قوانین ترقی پسند شمار ہونے لگے۔ ان کی زبان فخر و مباہات کا ذریعہ اور تعلیم یافتہ ہونے کی علامت بن گئی۔ ان کا لباس خلعتِ فاخرہ بن گیا اور ان کے نظریات و تصورات ہی مسلمانوں کے لیے دنیوی ترقی کی علامت اور سند قرار پا گئے۔

تحریک اسلامی نے اپنی جدوجہد سے مرعوبیت کا یہ طلسم توڑا۔ مغرب کے نظریات پر بھرپور تنقید کی جس کا آغاز حکیم مشرق علامہ اقبالؒ کر چکے تھے۔ اُس کے فلسفے کو تحریک نے بے بنیاد ثابت کیا۔ اس کی تہذیب کے اطوار کو دلیل سے جاہلانہ قرار دیا۔ اس کے شعائر کو بے دینی کی علامت ثابت کیا۔ اور اپنے زبردست

استدلال سے اہل مغرب کے پیش کردہ سارے طلسم خیال کا تار و پود بکھیر دیا۔ اس فکری یلغار کے نتیجے میں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے میں سے مغرب کی مرعوبیت بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ نئی نسل میں عرفانِ ذات کا احساس ابھرا اور وہ لوگ جو مغرب کو علم کے ہر میدان میں سند کے طور پر پیش کرتے تھے وہ اسلامی شعائر اور کتاب و سنت کی تعلیمات کو سند کے طور پر پیش کرنے لگے۔ اس طرح تحریک اسلامی نے یورپ کی مرعوبیت کا جادو ئے سامری زائل کر دیا اور مسلمانوں میں اپنی روایات پر فخر اپنی تعلیمات پر بھروسہ اور اپنی تہذیب و کلچر پر اعتماد کو بحال کیا۔ (باقی)

(بقیہ مطبوعات)

زیر نظر کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اُن تعلیمات کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کا تعلق صحت و حفظانِ صحت، اسبابِ مرض اور علاج معالجہ و پرہیز سے ہے۔ علاوہ ازیں کھانے پینے کے آداب اور نشست و برخاست کے وہ اصول بھی بیان کیے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر صحت و تندرستی کی ضمانت مل سکتی ہے۔ آنحضرتؐ کی مرغوب غذائیں۔ مخصوص بیماریوں کے لیے آپ کے بیان کردہ علاج اور بیماروں کی عیادت کا اسلامی طریق وغیرہ مباحث بھی داخلِ کتاب ہیں۔

ہماری رائے میں مسلم اکادمی کی یہ پیشکش بہت کچھ افادیت کی حامل ہے اس لیے مسلم معاشرہ کے ہر فرد کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ لیکن ایک بات کی اصلاح مرتب اور ناشر کے ذمہ ہے اور وہ ہے عربی عبارات میں کتابت و اعراب کی بکثرت غلطیاں مثال کے طور پر صـ ۹۷ پر ایک چار سطری حدیث میں ایسی سات آٹھ غلطیاں نظر پڑتی ہیں۔ کم و بیش یہی حال دوسرے مقامات کا بھی ہے۔ ان کی اصلاح از حد ضروری ہے۔